Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:9 (1976)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

محمد خالد مسعود

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی ناموں سے یاد کیا ہے اور آپؐ کی کئی صفات بیان کی ہیں لیکن ان میں سے آپ کی صفتِ رحمت سب سے ممتاز ہے کیونکہ اس کا ذکر "رسالت" کے ساتھ بلکہ اس کے مقصدِ وحید کے طور پر ہوا ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت ۱۰۷ میں ارشاد ہوا :-

وما ارسلنٰک إلا رحمۃ للعٰلمین — (اے نبیؐ) ہم نے تم کو صرف اس لئے (رسول بنا کر) بھیجا کہ تم (سے) تمام دنیا کیلئے رحمت (کا ظہور) ہو۔

یہ آیت اپنے مطالب کے لحاظ سے اتنی جامع ہے کہ اس میں نبوت و رسالت اور تشریع و عقائد کے بہت سے نکات سما گئے ہیں۔ اس میں رسالت اور رحمت کے بنیادی رشتے کا ذکر بھی ہے اور رحمت کی عالمگیریت کا بیان بھی۔ ذیل کی سطور میں ہم نبی کریمؐ کی رحمۃ للعالمینی کے ان پہلوؤں پر تفسیری اسلوب میں بحث کریں گے۔

رحمت کے دو پہلو

لغت میں رحمت کے بنیادی معنی نرم دلی اور محبت کے بیان ہوتے ہیں۔ البتہ اس کے اضافی معنی بے شمار ہیں۔ بعض علمائے لغت نے اس کا لغوی رشتہ رحِم (مادر) کے لفظ سے قائم کیا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رحمت کے ایک معنی صلۂ رحمی یعنی رشتہ داروں سے تعلق اور نیکی کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس طرح رحمت دراصل اس جذبے اور احساس کا اظہار ہے جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔ اس میں محبّت کا جذبہ بے پایاں ہوتا ہے۔ دوسرے کی تکلیف پر تڑپنے کا احساس ہوتا ہے۔ اسی رعایت سے لغت عرب میں رحمت کا لفظ مجازی طور پر ایسے کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں یہ مفہوم پایا جاتا ہو۔ قرآنِ کریم میں رحمت مغفرت کے معنوں میں بھی آیا ہے اور لطف واحسان کے معنوں میں بھی۔ اس کے علاوہ قرآن نے رزق، نبوت، ہدایت اور علم وغیرہ کو بھی رحمت کے نام سے ذکر کیا ہے۔ بادلوں کو "رحمت من اللہ" اور قرآن مجید کو "شفا و رحمت" کہا ہے۔

عربوں کے ہاں اسی رعایت سے مکہ مکرّمہ کو ام الرحم اور مدینہ منورہ کو المرحومہ کہا جاتا ہے۔

رحمت کے ان مختلف معانی میں فرق واضح کرنے کے لئے ابنِ منظور نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ اگر رحمت کا ذکر انسان کے تعلق سے ہو تو اس کے معنی رقّتِ قلب، نرم دلی اور محبّت کے ہوں گے اور اگر اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہو تو اس کے معنی لطف و احسان اور رزق و مغفرت کے ہوں گے۔ امام راغب اصفہانی نے رحمت کی تعریف یوں کی ہے کہ: رحمت سے مراد رقّتِ قلب کا وہ جذبہ ہے جو رحم کئے جانے والے شخص پر احسان کا تقاضا کرے۔

ان تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے اب زیرِبحث آیتِ قرآنی پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں "رحمت" اپنے معانی کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ نبی کریم اللہ کی طرف سے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی لطف و احسان کی صفات اپنے مکمل معانی کے ساتھ آپؐ کی ذات میں جلوہ گر ہیں اس کے ساتھ ہی چونکہ رحمت کی نسبت آپؐ کی طرف کی گئی ہے اس لئے نرم دلی، محبّت اور شفقت کی وہ تمام صفات بھی آپؐ کی سیرت میں موجود ہیں جو آپؐ کے انسانِ کامل اور خلقِ عظیم کے حامل ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ رحمت کو صلۂ رحمی کے معنوں میں لیا جائے تو اس میں اخوتِ انسانی کا پیغام اور آپؐ کی انسان دوستی کی صفت کا بھی اشارہ موجود ہے۔

اس آیت میں دوسرا خاص نکتہ یہ ہے کہ یہاں آپؐ کی رسالت کا مقصدِ وحید آپؐ کا تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رحمت کی بیکرانی

رحمت کے مذکورہ بالا دونوں پہلو آپؐ کی ذات میں جمع ہوئے تو آپؐ کی رحمت کی حدیں وسیع تر ہو گئیں۔ آپؐ کی یہ رحمت تمام جہانوں کے لئے ہے۔ عربی لغت میں عالم کا لفظ جہان اور جہان میں بسنے والے دونوں کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ آپؐ کی رحمت ان تمام کے لئے ہے جو اِن جہانوں میں بستے ہیں۔ وہ مومن ہوں یا کافر۔ اس میں علاقوں، مذہبوں، نسلوں اور رنگوں کی کوئی تفریق نہیں علمائے تفسیر کے ہاں البتہ اس پر اختلاف رہا ہے کہ مومن و کافر دونوں کیلئے رحمت ہونے کا مفہوم کیا ہے۔

ابنِ عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

قال من آمن باللہ والیوم الآخر کتب — جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے اس کے لئے

له الرحمة في الدنيا والآخرة ومن لم يؤمن بالله ورسوله عوفي مما اصاب الامم من الخسف والقذف

دنیا میں اور آخرت میں رحمت لکھ دی گئی (البتہ) جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لائے اس کو (بھی) وہ ذلت و تحقیر (کی سزا اور عذاب) معاف کر دی گئی جو گزشتہ قوموں پر مسلّط کر دی جاتی تھی۔

ابن زیدؒ اس کی تفسیر قدرے مختلف انداز سے کرتے تھے ان کے نزدیک رحمت صرف مومنوں کے لئے ہے اس سے کافر مراد نہیں:۔

قال العٰلمون من آمن به وصدّقه قال وان ادری لعله فتنة لکم ومتاع الی حین قال فهو لهؤلاء فتنة ولهؤلاء رحمة وقد جاء الأمر مجملا رحمة للعالمين والعالمون ههنا من آمن به وصدّقه واطاعه

عالموں (جہانوں اور اس کے باشندوں) سے مراد محض وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ پر ایمان لائے اور ان کی نبوت کی تصدیق کی چنانچہ (قرآن کی اگلی آیتوں میں) ارشاد ہوا میں نہیں جانتا ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے لئے آزمائش ہو اور کچھ وقت تک مہلت دی گئی ہو۔ (ابن زید نے) کہا کہ بات مختصراً تمام جہانوں کے لئے رحمت کہہ کر بیان کر دی گئی گو عالموں سے یہاں مراد صرف وہ لوگ ہیں جو آپؐ پر ایمان لائے، آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمانبرداری کی۔

علاّمہ طبری نے اس تفسیری اختلاف پر محاکمہ کرتے ہوئے ابنِ عباسؓ کے قول کی حمایت کی ہے البتہ اس کی توجیہ یوں کی کہ:۔

واولى القولين في ذلك بالصواب القول الذي روي عن ابن عباس وهو ان الله ارسل نبيه محمدا رحمة لجميع العالم مؤمنهم وكافرهم فلما مؤمنهم فان الله هداه به وادخله بالايمان به وبالعمل بما جاء من عند الله الجنة واما كافرهم فانه دفع به عنه

دونوں میں سے زیادہ صحیح قول ابنِ عباسؓ کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمدؐ کو تمام دنیا کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اس میں مومن بھی شامل ہیں کافر بھی۔ مومنوں کیلئے رحمت ہونے کا مطلب ہے کہ انہیں آپؐ کے ذریعے صحیح راستہ دکھایا اور اللہ کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا اس پر ایمان اور عمل کے سبب جنّت میں داخل فرمایا۔

عاجل البلاء الذی کان ینزل بالأمم المکذبة رسلها من قبلہ — کافروں کے لئے رحمت ہونے کا مطلب ہے کہ ان پر سے وہ عذاب اور آزمائشیں ہٹا دیں جو رسولوں کو جھٹلانے پر پہلی اُمتوں پر مسلط کر دی جاتی تھیں۔

ان تفاسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ کی بعثت سے تاریخِ انسانی کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ پہلے ایمان اور کفر کی جزا اور سزا فوری طور پر ملتی تھی۔ مکافاتِ عمل میں آئینِ فطرت دینی عقائد اور اخلاقی ضابطے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ ایسے افراد اور اقوام جو خدا کے احکام سے سرتابی کرتے یا رسولوں کی نافرمانی کرتے یا دوسرے الفاظ میں خدا کے اخلاقی نظام کی قانون شکنی کرتے ان پر فوراً عذاب نازل ہوتا زمین اور آسمان سے بلائیں ان کو آلیتیں۔ قرآنِ کریم میں ایسی بہت سی اُمتوں کا تذکرہ ہے جو ان نافرمانیوں کی بنا پر نیست و نابود کر دی گئیں لیکن بعثتِ نبوی کے بعد قانونِ فطرت اور اخلاقی ضابطوں کی یہ مطابقت ہٹا دی گئی۔ آپؐ کے دور سے انسانی عقل اپنی پختگی کو پہنچتی ہے اپنے بُرے بھلے کی تمیز کی اب وہ خود ذمہ دار ہے۔ اب اس کی ہدایت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ انسان کی خلافتِ ارضی اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے نیکی و بدی کا پیمانہ اب مکافاتِ عمل اور فطری قوتوں کی سزا اور جزا کو نہیں بلکہ انسان کے اپنے احساسِ ذمہ داری اور تقویٰ کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ انسانی اعمال کے طبعی نتائج کا قانون وہی ہے لیکن اس کے اخلاقی نتائج کو فطری قوانین سے الگ کر کے ان کے نفاذ کو مؤخر کر دیا گیا۔

یہ ہے مفہوم رحمتِ عالم کے ظہور کا جس سے تاریخِ انسانی ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔

اس دور کی ابتدا کے لئے ربِّ دوجہان نے ایک ایسی ہستی کا انتخاب کیا جس نے اس دورِ رحمت کے آغاز کا اعلان صرف اپنے قول سے ہی نہیں اپنے عمل سے بھی کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات رحمتِ ربانی کی وسعتوں اور پہنائیوں کا مظہر ہے خدا نے ایک ایسا نبیؐ بھیجا جس کا دل رحمت و شفقت کا ایک بے کنار سمندر تھا جو ان لوگوں کو بھی سیراب کرنے کے لئے بے چین رہا جو اپنی تنگ دلی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس مہلت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رحمت وہ تھی جو اپنے بیگانے میں فرق کی قائل نہیں تھی۔ وہ مومن ہو یا کافر کسی کا دُکھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ قرآن آپؐ کی سیرت کے اس پہلو کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔

لقدجاءکم رسول من انفسکم عزیزعلیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (التوبہ: ۱۲۸)

تمہارے پاس اللہ کا رسولؐ آگیا ہے جو تم ہی میں سے ہے تمہارا رنج وتکلیف میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند ہے وہ مومنوں کیلئے شفقت رکھنے والا اور رحمت والا ہے۔

مومنوں کی ہی نہیں مشرکین وکفار کی رنج وتکلیف بھی اسے ملول ودلگیر رکھتی ہے:

فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا (الکھف: ۶)

(اے نبیؐ!) تمہاری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ اگر یہ لوگ یہ بات نہ مانے تو عجب نہیں تم ان کے پیچھے افسوس کے مارے اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دو۔

ربِّ کائنات تو جانتا ہے کہ ہدایت کے رد وقبول میں انسان طبقات میں بٹ چکے ہیں۔ ان میں سے بعض کے دلوں پہ خود غرضی اور مفادات کے تالے پڑ چکے ہیں اس لئے ان کا سچے راستوں کو قبول کرنا ناممکن ہے اور ان سے اس کی امید رکھنا حقیقت کے خلاف ہے لیکن رحمتِ عالمؐ یہ معلوم ہونے پر بھی اپنی کوشش میں مصروف ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ بھی سچی راہ پہ آجائیں۔

وان کان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقافی الارض اوسلما فی السماء فتاتیھم بآیۃ ولوشاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ فلاتکونن من الجٰھلین (الانعام: ۳۵)

اگر ان لوگوں کی روگردانی تم پر کٹھن گزرتی ہے تو تم اگر کر سکتے ہو تو زمین کے اندر سرنگ ڈھونڈ نکالو یا آسمان میں سیڑھی لگا لو اور ان کے لئے کوئی نشانی لے آؤ (لیکن یقین رکھو کہ یہ ایسی ناممکنات کے واقع ہونے پر بھی نہیں مانیں گے) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو دینِ حق پر جمع کر دیتا۔ (لیکن ایسا نہیں ہو سکتا) اس لئے تم ان میں سے نہ ہو جاؤ جو حقیقت کے خلاف سوچتے ہیں۔

قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس پہلو کا ذکر بار بار ملتا ہے۔

عن ابی امامة قال: (قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ان اللّٰہ بعثنی رحمة للعالمین وھدی للمتّقین) (ابونعیم : الدلائل)

حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور ذمہ داری محسوس کرنے والوں کے لئے نورِ ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔

یہ آپؐ کی صفت رحمت ہی تھی کہ ان لوگوں سے جو عمر بھر آپؐ کو تکلیف و ایذا پہنچاتے رہے انتقام تو درکنار انہیں بُرا بھلا بھی کہنے کو تیار نہیں تھے۔

[عن ابی ھریرة قال : قیل یا رسول اللّٰہ ادع علی المشرکین. قال انی ابعث لعانا وانما بعثت رحمة (مسلم)]

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم سے کہا گیا کہ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے آپؐ نے فرمایا میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں پر لعنت بھیجوں میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ فتح کیا تو عام امان دے دی اور "لا تثریب" کا عام اعلان کر دیا۔ پھر بھی چند لوگ تھے جنہوں نے یہ امان قبول نہ کی اور مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائی۔ ان میں سے ایک عکرمہ تھے جو مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں ہمیشہ پیش پیش رہے تھے۔ کچھ مدت بعد یہ ڈرتے ڈرتے بارگاہِ نبوی صلعم میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی معافی کا بھی اعلان کر دیا اور وہ اسلام لے آئے۔ انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا کہ قریش نے آپ کو اتنی تکلیفیں پہنچائیں لیکن آپؐ نے کبھی ان پر لعنت تک نہیں بھیجی۔ آپؐ نے فرمایا میں لعنت نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آپؐ کی اس بے کراں رحمت و نرم دلی کے واقعات پڑھ کر یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ آپؐ کی ہستی مافوق البشر تھی یعنی آپ نفرت، غصہ اور انتقام کے جذبات سے آگاہ نہیں تھے۔ نہیں ہرگز نہیں یہ آپؐ کی شانِ رحمت کی تنقیص ہوگی۔ جس کو غصّے پر قدرت ہی نہ ہو وہ اس سے فروتر ہے جو غصّے کی قدرت رکھتے ہوئے غصّہ نہ کرے۔ احادیث میں اس بات کی کئی جگہ وضاحت آئی ہے:

(عن سلمان ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: ایما رجل من امتی سببتہ سبّة فی غضبی اولعنتہ

حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اگر اپنی امت میں سے کسی بھی شخص کو میں

لعنتہ فانما انا رجل من ولد آدم اغضب کما تغضبون وانما بعثنی رحمۃ للعالمین)
(سند احمد، ابی داؤد، طبرانی)

نے غصّے میں بُرا بھلا کہا یا لعنت ملامت کی تو واضح رہے کہ میں بنی آدم میں سے ایک انسان ہوں مجھے بھی تمہاری طرح غصّہ آتا ہے۔ البتہ میں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

شارحینِ حدیث نے اس کی صراحت کی ہے کہ اس حدیث سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ نبی کریمؐ نے واقعتہً کسی پر سب ولعن کیا کیونکہ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اس بات کی تصدیق یا تردید کے لئے نہیں بلکہ اس بات کی وضاحت کے لئے ارشاد ہوئی کہ آپؐ کے رحمتہ للعالمین ہونے سے آپؐ کی بشریت کی نفی نہیں ہوتی اور اس طرح آپؐ کی بشریت آپؐ کے رحمتِ عالم ہونے کے منافی نہیں۔

ذاتی زندگی میں آپؐ رحمت وشفقت زیرِ بحث آیت کی تفسیر کا صرف ایک رُخ ہے اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ آپؐ اپنی ذات سے ہی نہیں بلکہ اپنی رسالت وتعلیمات کی بنا پر بھی تمام دنیا کے لئے رحمت ہیں۔ ہم اس مختصر مضمون میں تفصیلات میں نہیں جاسکتے اس کے چند نمایاں پہلوؤں کی طرف محض اشارات پر اکتفا کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے قبل دین کے دعویداروں نے خدائی پیغام میں تصرّفات کرکے دین اور عبادات کو رسوم وظواہر کا گورکھ دھندا بنا دیا تھا۔ انسان اور خدا کے درمیان بہت سے واسطے اور وسیلے قائم کردیئے تھے۔ قواعد وضوابط کی پابندیاں اور عقائد وعبادات کی پیچیدگیاں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ دین کا مقصد ومفہوم ختم ہوچکا تھا۔ دین کا انسانی معاشرے اور اس کی بہبود سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ اسے رُوحانیت اور مابعدالطبیعیات کے پردوں میں اتنا لپیٹ دیا گیا تھا کہ عام آدمی کی اس تک دسترس نہیں رہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ دین کی طرف رغبت کا مطلب یہ رہ گیا تھا کہ اس دنیا سے قطع تعلّق کرلی جائے۔ دنیا میں اپنی عائلی اور معاشرتی ذمّہ داریوں کو نظرانداز کرکے گوشہ نشینی اختیار کرلی جائے تو اسے دین کا نام دیا جاتا تھا۔

رحمتِ عالم نے دین کے مفہوم پر سے ان تمام جالوں کو صاف کیا۔ رہبانیت کو بدعت اور غیر پسندیدہ فعل قرار دیا۔ دنیا کی بے مقصدیت کے تصوّر کی نفی کی۔ کاروبارِ معیشت میں حصّہ لینے کو فضل ورحمت قرار دیا۔ دُنیا میں عائلی اور معاشرتی ذمّہ داریوں کو پورا کرنے پر زور دیا۔ بلکہ اس مادی دُنیا کو رُوحانی دنیا

تک پہنچنے کا زینہ قرار دیا۔ آخرت میں سرخروئی تبھی ہو سکتی ہے جب اس دنیا میں انسان اپنی تمام ذمہ داریوں کو پورا کرے۔

دین کے اس مفہوم کی وضاحت کے لئے قرآنِ کریم نے مختلف پیرائے اختیار کئے۔ ان میں سے ایک کی مثال ہم دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں رحمت کا لفظ بہت کثرت سے آیا ہے۔ اگر ان تمام آیات کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان آیات میں ایسے تمام اوہام و تصوّرات کی نفی کرنے کے لئے جنہیں دین کا جزو بنالیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ انسانی فلاح و بہبود کے تمام مظاہر و وسائل کے لئے رحمت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اکثر مذاہب میں اس کائنات کو محض ایک فریب اور دھوکہ اور رنج و تکلیف کا مقام کہا گیا ہے۔ ان کے نزدیک نجات اسی میں ہے کہ اس کائنات کو عبث سمجھتے ہوئے اس سے بے تعلقی اختیار کر لی جائے۔ لیکن قرآنِ کریم نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ کائنات اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس کی ربوبیت کی آیت و علامت ہے بلکہ اس پر غور و فکر اللہ کی معرفت کا ایک وسیلہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کائنات ہر ہر قدم پر رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ ارشاد ہوا:۔

قل لمن ما فی السمٰوٰت والارض، قل للہ کتب علی نفسہ الرحمۃ۔ (الانعام : ۱۲)

پوچھئے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے۔ کہہ دیجئے اللہ کا (وہ ذات) جس نے اپنے لئے ضروری ٹھہرا لیا ہے کہ (دنیا کی تخلیق میں) رحمت (کا ظہور) ہو

ورحمتی وسعت کل شیئ (الاعراف: ۱۵۶)

میری رحمت دُنیا کی ہر چیز کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے

کائنات کی ہر چیز اس کی رحمت کا ظہور ہے۔ زمین اور چاند کی گردش، دن اور رات کا فرق، موسموں کا تغیر و تبدل ہر ایک میں اس کی رحمت کا پہلو نمایاں ہے۔ فرمایا:۔

ومن رحمتہ جعل لکم الیل والنہار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون۔ (القصص : ۷۳)

یہ اس کی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات کے وقت راحت پاؤ اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو۔ تاکہ تم اللہ کی رحمت کے شکر گزار رہو۔

اس آیت میں دین کے غلط تصوّر کی ان دو بنیادوں کی طرف اشارہ ہے جن کی رو سے بعض مذاہب میں عائلی زندگی اور کسبِ معاش کو دین کے خلاف تصور کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا فضل قرار دیا۔ عائلی زندگی کے بارے میں ارشاد ہوا:۔

ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیت لقوم یتفکرون (الروم: ۲۱)

یہ اس کی رحمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیئے تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں سکون حاصل ہو اور تمہارے درمیان مودّت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ غور و فکر کرنے والوں کے لئے ان میں نشانیاں ہیں۔

اوپر کی آیت میں کسبِ معاش کو فضلِ خداوندی قرار دیا تھا۔ تو اس آیت میں ازدواجی تعلقات کو اپنی رحمت کی نشانی بیان کیا۔

اِنسان کے کاروبارِ معیشت میں جانوروں کو بے حد اہمیت حاصل ہے وہ نہ صرف اس کے لئے خوراک کی کاشت میں مددگار رہیں بلکہ خوراک مہیّا بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ باربرداری کی وجہ سے مواصلات میں بہت اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی ان خوبیوں سے اپنی رحمت پر استدلال فرمایا:

والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرؤوف الرحیم ٥ (النحل: ۵-۷)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے جاڑے کا لباس بھی ہے اور طرح طرح کے اور منافع بھی۔ تم ان سے غذا بھی حاصل کرتے ہو جب ان کے غول شام کو چراگاہوں سے واپس آتے ہیں اور جب چراگاہوں کے لئے نکلتے ہیں تو اس کے منظر میں تمہارے لئے خوشنمائی اور جمال رکھ دیا ہے یہ جانور تمہارا بوجھ دوسرے شہروں تک اُٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم جان جوکھوں میں ڈال کر ہی پہنچ پاتے بیشک تمہارا رب نرم دل اور رحمت والا ہے۔

دین کا یہی فطری تصوّر تھا جس نے تاریخِ عالم میں ایک نئے دَور کا آغاز کیا۔ دین کے نام پر اور

ماورائی قوتوں کے انتقام کے خوف پر مبنی مذہبی سیادتیں ختم ہوئیں۔ اسلام نے ایک ایسے معاشرے کا آغاز کیا جس کی بنیاد شوریٰ پر تھی۔ جہاں سیاسی طاقت قرآن و سنّت سے برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی اس سے قانون کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ کوئی مذہبی طبقہ نہیں تھا کہ علم کا حصول صرف اسی کا طرۂ امتیاز ہو۔ اس سے علم کا شوق عام ہوا۔ فکر و تحقیق کے میدان میں وسعت ہوئی۔ دنیا کی دوسری قوموں کے علوم کا بھی مطالعہ ہوا۔ کائنات پر غور و فکر کو باقاعدہ اور منظم شکل ملی۔ ثقافتوں کے تغیرات کو وحدتِ انسانی میں ترتیب دینے کی کوشش کی گئی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کا پیغام بڑی سرعت سے ساری دنیا میں پھیلا اور جہاں جہاں اسلام پھیلا وہاں علم کی لگن، قانون کی حکمرانی، انسان کی عظمت اور دُنیادی ذمہ داریوں کے احساس کی اقدار بھی پہنچیں۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب تیرھویں اور چودھویں صدی کا یورپ سیاسی اور مذہبی جنگوں سے تنگ آکر نئی روشنی کی تلاش میں نکلا تو اسلامی تہذیب میں اسے وہ شمع ملی جہاں ایک نئی کائنات اور نئی دنیا نظر آئی۔ اور اب یورپ بھی قرونِ وسطیٰ کی تاریکیوں سے نکل کر دَورِ جدید میں داخل ہوا۔ وہ دَورِ جدید جس کا آغاز نبی کریمؐ کی بعثت سے ہوا اور جس کے لئے قرآن نے نبیؐ کو فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لئے بھیجا ہے کہ تم سے دُنیا میں رحمت کے نئے دَور کا ظہور ہو ؛